



اُن کا میڈیا اور ہمارا میڈیا

مفتی منیب الرحمن

22 مارچ کو لندن کے ویسٹ منسٹر کے علاقے میں دہشت گردی کا ایک واقعہ ہوا، ایک شخص نے پارلیمنٹ کے سامنے فٹ پاتھ پر گاڑی چڑھادی اور پولیس کے ایک سپاہی پر چاقو سے حملہ کیا، پھر پولیس کے جوانی وار میں اُس حملہ آور کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ اس سانحے میں مجموعی طور پر چار ہلاکتیں ہوئیں اور تقریباً چالیس افراد زخمی ہوئے۔ یہ مقام برطانیہ عظمیٰ کے لیے اتنا اہم ہے کہ اُن کے نظام کو ”ویسٹ منسٹر ڈیموکریسی“ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو آگے چل کر پارلیمانی جمہوریت کی بنیاد بنا اور اسی بنا پر برطانیہ کی پارلیمنٹ کو ”مدر پارلیمنٹ“ یعنی اُم البرلیمان کہا جاتا ہے، کیونکہ اُس کے بعد سابق سلطنتِ برطانیہ (British Empire) کی آزاد کردہ نو آبادیات میں بھی برطانوی طرز کی پارلیمانی جمہوریت قائم ہوئی۔ بعد میں اُن کا ایک مشترکہ سیاسی فورم دولتِ مشترکہ (Commonwealth) کے نام سے وجود میں آیا، جو آج تک قائم ہے۔ مدر پارلیمنٹ کی اصطلاح سب سے پہلے جون برائٹ نے 18 جنوری 1865ء کو برمنگھم میں استعمال کی۔

یہ مختصر پس منظر ہم نے اس مقام کی تاریخی اہمیت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بیان کیا ہے۔ میں اس واقعے کے بعد بی بی سی اور سی این این کو دیکھتا رہا کہ وہ اس واقعے کی رپورٹنگ کس طرح کرتے ہیں۔ بی بی سی اور مغربی میڈیا نے نہایت قرار و سکون کے ساتھ رپورٹنگ کی، نہ دہشت پھیلائی، نہ تجسس کو ابھارا اور نہ ہی سراسیمگی پھیلائی۔ نہایت سکون کے ساتھ اسکاٹ لینڈ یارڈ کی پولیس نے جائے وقوعہ کو حفاظتی حصار میں لیا، موقعے کی شہادتوں (Forensic Evidences) کو جمع کیا، میتوں اور زخمیوں کو منتقل کیا، پارلیمنٹ میں اجلاس جاری تھا، اُسے باہر سے بند کیا اور تمام امور اطمینان کے ساتھ انجام پائے۔ میڈیا مختصر سی خبر دیتا رہا اور عالمی سیاست سے لے کر موسمیات تک معمول کی دیگر خبریں بھی چلتی رہیں۔ میڈیا کے افراد نے سیکورٹی اداروں کے ذمے داران کا نہ تعاقب کیا کہ بتائیے یہ شخص کون تھا، کیا تھا، اس کی تفصیلات کیا ہیں؟ وغیرہ۔ اس پورے عرصے میں میڈیا کی ہلچل اور ہلّا گلا کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

اگر خدا نخواستہ یہ واقعہ یا اس جیسا واقعہ ہمارے ہاں رونما ہوا ہوتا، تو آن واحد میں پچاس کیمرے جائے وقوعہ پر پہنچ جاتے، اُسے گھیر لیتے، رواں تبصرے شروع ہو جاتے، ماہر تجزیہ کار نیند سے اٹھ کر بھاگم بھاگ اسٹوڈیوز پہنچتے تاکہ وہ قیاس کے گھوڑے دوڑائیں اور اپنی خداداد ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے تجزیے کریں اور اپنی دانش کی سوغات سے قوم کو نہال کریں۔ رپورٹرز اور اسٹوڈیوز میں بیٹھے ہوئے نیوز اینکرز کی زبانیں سپر سائیک رفتار سے رواں دواں ہو جاتیں۔ کوئی رپورٹر اور کیمرہ میں اپنی توجہ ہلاک شدہ

افراد اور زخمیوں پر مرکوز رکھتا، کوئی سر راہے کھڑے لوگوں سے مشاہدات اور تاثرات لے رہا ہوتا، کوئی ایسولینس کے پیچھے دوڑ لگا رہا ہوتا کہ لاشوں اور زخمیوں کو کون سے ہاسپٹل میں لے جایا جا رہا ہے، کوئی وہاں آئی سی یو میں پہنچ چکا ہوتا اور ڈاکٹروں سے معلومات لے رہا ہوتا۔ الغرض ہمارے پچاس چینلوں پر میراتھن ٹیلی کاسٹ یعنی کسی وقفے کے بغیر طویل دورانیے کی نشریات شروع ہو جاتیں اور کمال مہارت سے سنسنی خیزی برپا کی جاتی تاکہ ناظرین اسکرین کے ساتھ جڑے رہیں اور کوئی گاہک کسی دوسری دکان پر نہ چلا جائے۔

میں نے یہ بھی نوٹ کیا کہ سیکورٹی کے اداروں کے کسی عملدار نے کوئی فوری بیان نہیں دیا، تمام حقائق کا بغور جائزہ لینے کے بعد وزیر اعظم ٹرساے، میئر لندن صادق خان اور ایکٹنگ کمشنر کریگ میکس نے کافی وقفے کے بعد مختصر بیانات دیے۔ جب کہ ہمارے ہاں پولیس انسپکٹر، ڈی ایس پی، ایڈیشنل آئی جی، آئی جی اور رینجرز کے سیکٹر کمانڈر الغرض جو بھی ہاتھ آتا ہر کسمرہ میں اُس سے واقعے کے بارے میں فوری آگہی حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو جاتا تاکہ بریکنگ نیوز میں اُس کے چینل کو پہل مل جائے۔ اگرچہ قومی ایکشن سے لے کر آج تک ہر چینل نے دعویٰ کیا ہے کہ پہل کا شرف صرف اور صرف اُسی کو حاصل ہے اور باقی سب دعوے جھوٹے ہیں۔

اسکاٹ لینڈ یارڈ نے فوری طور پر اس واردات کو دہشت گردی قرار نہیں دیا، بلکہ یہ کہا: ”ہم اسے سر دست دہشت گردی کا واقعہ سمجھ رہے ہیں“، نہ ہی پورے برطانیہ میں سراسیمگی پھیل گئی اور نہ ہی پکڑ دھکڑ کا ایک لائق تباہی سلسلہ شروع کیا، صرف برمنگھم اور چند مقامات پر نومشتبہ افراد کو حراست میں لیا اور بعد میں انہیں بھی چھوڑ دیا۔ فوری طور پر اس واقعے کے ذمے دار شخص کی شناخت بھی جاری نہیں کی تاکہ مبادا! جذبات میں کوئی منفی عوامی رد عمل پیدا ہو اور انتہا پسند لوگ اُس کا رخ مذہبی نفرت کی طرف پھیر دیں۔ انہوں نے یہ بھی شروع ہی میں بتایا کہ اُس شخص کی شناخت ہم کر چکے ہیں، وہ پیدائشی برطانوی ہے اور Kent کے مقام پر پیدا ہوا۔ لیکن اُس کی سابق قومیت کو ظاہر نہیں کیا تاکہ کسی خاص قوم یا ملک کے خلاف نفرت پیدا نہ ہو۔ پھر 24 مارچ کی شام کو بتایا کہ اُس کا پیدائشی نام Adrian Russell Ajao تھا اور اُس کے کئی عُرفی نام (Aliases) بھی تھے اور آخر میں جا کر بتایا کہ اصل قومیت کے اعتبار سے اُس کا تعلق کسی افریقی خطے سے تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ شخص جرائم پیشہ تھا، وہ 1983 اور 2003 میں دو مرتبہ جیل جا چکا تھا، جرائم بھی بڑی نوعیت کے نہیں تھے، لیکن پولیس کی نظر میں وہ دہشت گرد کی حیثیت سے مشتبہ نہیں تھا۔ اُس کے فوری مارے جانے سے وہاں کی پولیس کو نقصان یہ ہوا کہ اُس کے اس اقدام جرم کے محرکات کو جاننا اُن کے لیے نا حال مسئلہ ہے۔

اس کے برعکس اگر ہمارا میڈیا ہوتا تو اُس کی دس پشتوں کا سارا زانچہ نکال کر لے آتا، ممکنہ طور پر یہ بھی کھوج لگاتا کہ کہیں وہ پاکستان تو نہیں آیا تھا یا کسی مسجد میں اُس کا آنا جانا تو نہیں تھا۔ آخر بھارتی ایجنسیوں سے بھی پہلے اجمل قصاب کی کھوج لگا کر ہمارے میڈیا نے ہمالیہ سے بھی اونچی چوٹی سر کر لی تھی، لیکن ٹھٹھ ہے اسکاٹ لینڈ یارڈ اور برطانیہ کے میڈیا پر کہ وہ ایسا کارنامہ انجام نہ دے سکے۔ انہیں جلد از جلد اپنی نالائقی کا اعتراف کر کے ہمارے الیکٹرانک میڈیا سے تربیت حاصل کر لینی چاہیے، ورنہ وہ اکیسویں صدی کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ میں خود سب سے پہلے نام اور اُس کا قومی پس منظر جاننے کے لیے بے چین تھا کہ



خدا خواستہ کہیں اُس کا کوئی تعلق پاکستان سے جڑ گیا تو اسلام اور پاکستان دونوں کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسکاٹ لینڈ یا ریڈیا برطانیہ کی سیکورٹی اور انٹیلی جنس کے ادارے موضوعی (Subjective) انداز میں یعنی ہماری پولیس اور ایجنسیوں کی طرح پہلے سے ذہن میں نتائج مرتب کر کے تحقیقات کا آغاز نہیں کرتے، بلکہ خالی الذہن ہو کر معروضی (Objective) انداز میں واقعات کا تجزیہ کرتے ہیں، اس لیے اُن سے بے تدبیری، بے اعتدالی اور غلطی کا صدور نسبتاً کم ہوتا ہے۔ یہ سطور میں نے اس لیے لکھیں اور یہ مشاہدہ میں نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کیا کہ کاش ہمارا میڈیا اور ہمارے میڈیا کے ریگولیٹر اس سے سبق حاصل کریں اور رپورٹنگ اور تبصروں و تجزیوں کو معقولیت کے دائرے میں لائیں اور سائنٹیفک طریقہ کار اختیار کریں۔

ہمارے میڈیا کی غیر تعمیری، غیر مدبرانہ بلکہ خطرناک حد تک تباہ کن رپورٹنگ کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے دہشت گردی، فساد و تخریب اور اذیت و آزار کے واقعات کو مسلسل دکھا کر ان کی سنگینی کو کم کر دیا ہے، بعض طبائع کے لیے انہیں پرکشش بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ایک عشرے سے اولاد کے ہاتھوں ماں باپ، ماں باپ کے ہاتھوں اولاد، بیوی کے ہاتھوں شوہر اور شوہر کے ہاتھوں بیوی اور نوجوانوں کے ہاتھوں ایک دوسرے کے قتل اور مالکوں کے ہاتھوں کم عمر گھریلو ملازم بچوں پر وحشیانہ مظالم کے جتنے واقعات ہم نے دیکھے ہیں، ماضی کے پچاس سالوں کے مجموعی واقعات کا بھی ان سے تقابل نہیں کیا جاسکتا۔ ہم نے اذیت و آزار کے مناظر کو ایک جشن بنا دیا ہے، انہیں کاروبار اور لذت اندوزی کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساتھ اور ستر کے عشرے میں شہر بھر میں قتل کا ایک واقعہ رونما ہو جاتا، تو پورا شہر ہل کر رہ جاتا، آج ہمارے معاشرے میں ”مرگ انبوہ شنے دارڈ“ والی کیفیت ہوتی ہے، مرزا محمد رفیع سودا نے کہا ہے:

دل کے کلکوں کو بغل بیچ لیے پھرتا ہوں کچھ علاج اس کا بھی، اے چارہ گراں! ہے کہ نہیں

جمہوریت دلفریب اور پرکشش سہی، لیکن ہر جگہ حتیٰ کہ سپر پاور امریکہ میں بھی اس پر تحدید و توازن کا غیر مرئی (Unseen) نظام موجود ہے۔ موجودہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نئی آدرش اور نئے نعروں کے ساتھ منتخب ہو کر ایوان اقتدار میں داخل ہوئے اور یہ تاثر دینا چاہا کہ وہ جو چاہیں گے کر گزریں گے، عوامی حمایت اُن کی پشت پر ہے اور کوئی اُن کا راستہ روکنے والا نہیں ہے، لیکن اسٹبلشمنٹ نے انہیں دن میں تارے دکھا دیے ہیں، حتیٰ کہ کانگریس کے دونوں ایوانوں میں ریپبلکن کی واضح اکثریت کے باوجود Obamacare کو بہ یک جنبش قلم منسوخ کرنا اُن کے لیے قلمہ تر ثابت نہیں ہوا، انہوں نے ایوان نمائندگان کو الٹی میٹم بھی دیا، مگر بے سود، آخر کار انہیں مفاہمت کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ سو جمہوریت پر اسٹبلشمنٹ کا کنٹرول دنیا کو تسلیم ہے، آئین و قانون کی تعبیر و تشریح کے لیے اعلیٰ عدالتوں کا فیصلہ کن اختیار بھی تسلیم ہے۔ لیکن خالق کائنات کا اقتدار اعلیٰ یعنی اس کے قطعی احکام کی بالادستی کو تسلیم کرنا اُن کے لیے جمہوریت کی نفی کے مترادف ہے، فَيَا لِّلْعَبَّ!

(روزنامہ دنیا، 27 مارچ 2017ء)